اقوال زریں

□ اگر غلطی نہ ہونے پر بھی آپ سے کوئی معافی مانگ لے تو سمجھ لینا کہ وہ آپ سے زندگی بھر رشتہ رکھنا چاہتا ہے۔

روزنامہ سہارا راشٹریہ
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA HYDERABAD

راج بھون اور ممتا حکومت کا ٹکراؤ

تشدد

مغربی بنگال کی سیاست کا ایک کالا پہلو بن چکا ہے۔ سیاسی نظریات اور تسلط کی جنگ میں یہ ریاست اب تک اپنے سیکڑوں سپوت گنوا چکی ہے۔ نیشنل کرائم ریکارڈس بیورو کے مطابق مغربی بنگال میں انتخابی تشدد ہر سال اوسط 20 افراد کی جانیں لے لیتا ہے۔ پنچایت انتخابات، میونسپل کارپوریشن کے انتخابات ہوں یا پھر اسمبلی اور پارلیمنٹ کے انتخابات، خون بہائے بغیر یہاں کسی کی ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح راج بھون اور ریاستی حکومت کے درمیان تنازع، اقتدار کیلئے کشاکش اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بحران بھی مشرقی ہندوستان کی اس ریاست کا مقدر بنتا جارہا ہے۔ گورنر اور ریاستی حکومت کے مابین جھگڑا اور فسادی وجہ سے غیر معمولی انتظامی تعطل، یونیورسٹیوں میں بحران اور کئی دیگر مسائل لاینحل ہو چکے ہیں۔ لوک سبھا انتخابات 2024 کے دوران اور نتائج آنے کے بعد سے تشدد کے درجنوں واقعات ہو چکے ہیں۔ ہر چند کہ ممتا حکومت انکاری ہے مگر ریاست کی اہم اپوزیشن بھارتیہ جنتا پارٹی کا کہنا ہے کہ اس کے دفاتر توڑے پھوڑے اور نذر آتش کیے جارہے ہیں اور اس کے حامیوں کو دہشت زدہ کر کے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ ان حالات کا جائزہ لینے کیلئے ہی چے پی کی مرکزی ٹیم مغربی بنگال کا دورہ کر رہی ہے۔

یہ ٹیم اپنے دورہ سے کن نتائج تک پہنچے گی اور کون سی رپورٹ پیش کرے گی یہ تو آنے والے دنوں میں پتہ چلے گا مگر ریاست ان دنوں راج بھون اور ریاستی حکومت کے مابین غیر معمولی قسم کے تعطل کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ گورنر سی وی آنند بوس نے ریاستی پولیس کو راج بھون کے احاطے سے نکل جانے کو کہا ہے، لیکن پولیس ابھی بھی ڈیوٹی پر ہے۔ گورنر نے راج بھون کے ناتھ گیٹ پر واقع پولیس چوکی سمیت کولکاتا پولیس کے تمام افسران اور ملازمین کو فوری طور پر احاطے کو خالی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے حکم کے باوجود پولیس پہلے کی طرح راج بھون کے احاطے میں کھڑی ہے۔

یہ تنازع حال ہی میں مغربی بنگال میں انتخابی تشدد کے متاثرین کے راج بھون آنے کے معاملے پر شروع ہوا تھا۔ ان متاثرین کو گورنر نے راج بھون آنے کی تحریری اجازت دی تھی، لیکن راج بھون میں تعینات پولیس نے دفعہ 144 کا حوالہ دیتے ہوئے لوگوں کو آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر راج بھون نے پولیس کو گیٹ پر اپنی پوسٹ خالی کرنے کو کہا لیکن وہاں تعینات پولیس اہلکاروں نے اپنے افسران کے حکم کے بغیر ڈیوٹی چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ گورنر عوام سے ملنے کے لیے پولیس چوکی کے مقام پر عوامی فورم قائم کرنا چاہتے تھے لیکن پولیس کی موجودگی کی وجہ سے وہ کام نہیں ہو سکا۔ گورنر کی ذاتی حفاظت سی آر پی ایف کی طرف سے زیڈ کیٹیگری ہے اور کولکاتا پولیس صرف بیرونی سیکیورٹی فراہم کرتی ہے۔ اب اگر کولکاتا پولیس راج بھون سے ہٹ جاتی ہے تو ممکن ہے کہ مرکزی فورسز کے جوانوں کو اس کی حفاظت میں تعینات کیا جائے۔ گورنر کولکاتا پولیس کے رویہ سے اس وقت سے ناالاں ہیں جب ڈیڑھ مہینہ قبل راج بھون کی ایک عارضی ملازمہ نے کولکاتا پولیس میں گورنر کے خلاف چھیڑ چھاڑ کی شکایت درج کرائی تھی اور کولکاتا پولیس نے اس معاملے میں جانچ شروع کی تھی اور راج بھون کے کئی ملازمین کے خلاف بھی مقدمہ درج کر کے انہیں پوچھ گچھ کیلئے بلایا تھا۔ اس وقت بھی گورنر نے پولیس کے راج بھون آنے پر پابندی لگا دی تھی۔ گورنر کی تازہ ہدایت کو ریاستی حکومت نے اب تک کسی قابل نہیں جانا ہے؟ آگے اس ہدایت کا کیا حشر ہوگا یا ایک دوذوں میں پتہ چل جائے گا لیکن مغربی بنگال میں گورنر اور ممتا حکومت کا تنازع صرف سی وی آنند بوس تک ہی محدود نہیں ہے۔ گزشتہ دس برسوں سے دیکھا جارہا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب راج بھون اور ریاستی حکومت آمنے سامنے نہ ہوں۔ اس سے قبل بھی اس وقت کے گورنر جگدیپ دھن کھڑ کے ساتھ ممتا حکومت کا تنازع تمام حدوں سے گزر چکا ہے اور اب تو اس کے ختم ہونے کے کوئی آثار بھی نظر نہیں آ رہے ہیں۔

ہندوستان جیسے وفاقی جمہوریہ میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان ایک لازمی رشتہ ہے جس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ گورنر کا عہدہ درمیانی کڑی کے طور پر مرکز اور ریاست کے رشتہ کو جوڑتا ہے۔ مگر اکثر یہ دیکھا جارہا ہے کہ گورنر کا یہ آئینی عہدہ مرکز اور ریاست کے رشتہ کو خوشگوار اور مستحکم بنانے کے بجائے مرکزی حکومت کے پولیٹیکل ایجنٹ کی طرح ریاست کی پشت پر کوڑے برساتا رہتا ہے۔ اپوزیشن کی حکمرانی والی ریاستوں میں سیاسی عدم استحکام پیدا کرنا اور حکومت کو صحرا سے میں رکھنا عام سی بات ہوگئی ہے۔ مغربی بنگال میں جگدیپ دھن کھڑ سے لے کر سی وی آنند بوس تک تسلسل کے ساتھ جاری یہ تنازع اگر مزید آگے بڑھا تو عین ممکن ہے کہ یہ کھلی دشمنی تک پہنچ کر وفاقی جمہوریت کی بڑی کو کھوکھلا کر دے۔ اس صورتحال سے بچنے کی ذمہ داری دونوں ہی فریق پر ہے۔ ریاستی حکومت کوئی ایسا موقع نہ دے کہ گورنر کو ریاست میں سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کا موقع ملے اور گورنر کو بھی ریاست کی منتخب حکومت کے مینڈیٹ کا مکمل احترام کرتے ہوئے اپنی آئینی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے تاکہ تصادم اور تعطل کی صورت نہ پیدا ہو۔

edit2sahara@gmail.com

آئینہ

جب کبھی پانی میسر نہیں ہوتا ہم کو
آپ کیوں سمجھے کہ چلاّتے ہیں پانی پانی
ہاں مگر دیکھ کے اس ملک میں پانی کی کمی
ہم تو خود شرم سے ہوجاتے ہیں پانی پانی

اقبال فردوسی

نیٹ کے نتائج سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

عبدالماجد نظامی

روبرو

جب سے نیٹ کے نتائج سامنے آئے ہیں تب سے تعلیم کے تعلق سے کئی طرح کے مسائل پر اس ملک میں بحث چھڑ گئی ہے اور وہ تمام پہلو ان مسائل کے ایسے ہیں جن پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا سیدھا واسطہ ملک کے تعلیمی نظام کی کمی و کوتاہی یا اس کے درخشاں پہلوؤں سے ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے پالیسی سازوں کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ہوگی کہ اس کا سیدھا تعلق ہمارے ملک کے نوجوان نسل اور اس کے مستقبل کے پالیسی سازوں سے ہے۔ ان کی ترقی اور عدم ترقی سے ملک کی قسمت کا فیصلہ ہوگا کہ آگے چل کر یہ کیسا ہندوستان ہوگا اور اس کی اخلاقی قدریں کن چیزوں سے طے ہوں گی۔ ایسی صورت میں ہمیں کچھ بنیادی مسئلوں کو حل کرنے میں پوری ایمان داری اور شفافیت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم کا نظام ایسا کیوں تیار نہیں کیا جاتا جس میں سماج کے ہر طبقہ کے بچوں کو یکساں طرز تعلیم سے استفادہ کا موقع مل سکے؟ اگر اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے گا تو اس کے واضح امکانات نظر آتے ہیں کہ کسی ایک خاص میدان کو کریئر کے طور پر انتخاب کرنے کی جو ہوڑ لگی ہوئی ہے، اس میں کمی آئے گی اور ملک کے بچوں کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ڈاکٹر اور انجینئر بننا ہی صرف چوائس کی فہرست میں اولیت کا درجہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر بے شمار ایسے مواقع موجود ہیں جہاں اچھے مستقبل کی ضمانت مل سکتی ہے۔ اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب ملک میں میڈیسن کی تعلیم کا عام رجحان بڑھ رہا ہے اور چھوٹے چھوٹے گاؤں، قصبوں اور شہروں کے بچے دن رات کی محنت سے مشکل ترین امتحانات کا میاب ہونے کا جذبہ اپنے دل میں سمائے ہوئے ہیں اور اس کے لیے ڈاکٹری دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھ رہے ہیں تو آخر حکومت کی سطح پر اس سلسلہ میں یہ پالیسی کیوں نہیں بنائی جاتی ہے کہ مزید معیاری سرکاری میڈیکل کالجز اور یونیورسٹیوں کو قائم کرنا سرکار کی اولین ترجیحات میں شامل ہو؟ آخر کار اسی ملک کے ان اولین قائدین نے جن کی آج کی سرکار مدد مرتب کرتی ہے، اگر آزادی کے بعد مرمیدان میں معیاری اداروں کا جال ملک بھر میں نہ پھیلایا ہوتا تو جو مقام اور رتبہ علم کے الگ شعبوں میں بالخصوص میڈیکل تعلیم کے میدان میں ہندوستان نے حاصل کیا ہے، وہ قطعاً حاصل نہ کر پاتا۔ اب یہ ذمہ داری آج کی قیادت کے کاندھے پر آتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں مزید بہتر اور عالمی سطح کے ادارے قائم کرے اور جن میدانوں میں ہمیں ماہرین کی ضرورت ہے، ان پر خاص توجہ مرکوز کی جائے اور ایسے معیاری تعلیمی اور تحقیقی ادارے قائم کیے جائیں جو دنیا بھر میں ملک کی نیک نامی کا ذریعہ بن سکیں۔ اسی تناظر میں اس بات پر

بھی زور دیا جانا ضروری ہے کہ آخر کیا مسئلہ ہے کہ ہمارا سیاسی طبقہ کبھی بھی اس امر کو اہمیت کے ساتھ نہیں اٹھاتا کہ تعلیم پر ملک کی اجمالی آمدنی کا 6 فیصد خرچ کیا جائے؟ مطالبہ بہت قدیم ہے لیکن اس پر عمل درآمد کی کوئی سنجیدہ کوشش اب تک دیکھنے کو نہیں مل رہی ہے۔ اس کا منفی اثر یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے ملک کے وہ بچے جو ہر حال میں ترقی کی طرف گامزن رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے خوشحالی و ترقی کے ساتھ ساتھ سماج میں اپنا ایک مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ہر قیمت پر اپنے سامنے سب سے مشکل ہدف رکھ کر اس کو حاصل کرنے کے لیے انتھک محنت کرنے سے بھی جی نہیں چراتے۔ لیکن شاید انہیں معلوم نہیں کہ پالیسی سازوں نے ایسا نظام تعلیم تیار کر رکھا ہے جس میں صرف ان کی محنتوں سے ہی سارا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے۔ مواقع کا درجہ اتنا تنگ رکھا گیا ہے کہ چند لوگوں کے داخلہ کے بعد دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اب اس کا فطری نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی جدوجہد سے اس دروازہ میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر اس بند دروازہ کو کھولنے کے لیے دوسرے ہتھکنڈے اختیار کیے جاتے ہیں۔ وہ ہتھکنڈے ایسے ہوتے ہیں جو نہ صرف بداخلاقی کے زمرہ میں آتے ہیں بلکہ آئندہ نسل کے ممتاز داغوں کو کھا اور ناپوں کی گہری دلدل میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ آخر وہ بچے جو اپنی علمی استعداد کی بنیاد پر نہیں بلکہ پیسوں کے بل بوتے پر ناجائز ڈھنگ سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کریں گے، کیا ان سے کبھی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس ملک کے بیماروں کا اخلاقی بلندی اور پیشہ ورانہ دیانت داری کے ساتھ علاج کر پائیں گے؟ ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ اس کے برعکس ایسے ڈاکٹروں کا جہاں بس چلے گا، وہاں وہ کمزور طبقوں کے اعضاء نکال کر امیروں کے ہاتھ بیچ کر مال و دولت کمانے کا دھندہ چلائیں گے جیسا کہ آئے دن ایسی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ ملک کے اس بیمار نظام تعلیم اور طرز امتحان نے ایک بڑا سوال یہ پیدا کر دیا ہے کہ کیا تعلیم کا واحد مقصد ہر حال میں مال و دولت حاصل کرنا رہ گیا ہے؟ کیا ایسی تعلیم سے بھی کوئی ملک عالمی سطح پر اپنے لیے وہ وقار حاصل کر سکتا ہے جس کی امید آج کی سیاسی قیادت شب و روز یہاں کے عوام کے اندر پیدا کرتی رہتی ہے؟ آخر اس گرتی اور بگڑتی صورت حال کو سدھارنے کی ذمہ داری کون نبھائے گا؟ میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم کی اہمیت نے پرائیویٹ سیکٹر کے ارباب سیم و زر کو یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ تعلیم کے نام پر نئی دکانیں کھولیں اور صرف ان لوگوں تک تعلیم اور اس سے وابستہ ترقی کے امکانات کو محدود کر دیں جو ذرگریوں کو بھاری قیمت کے بدلے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ کیونکہ سرکار اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتی نظر آتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک عجیب انارکی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے جس کا شکار آئے دن اس ملک کے بچے اور ان کے والدین ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا کیا جانا کسی بھی طرح سے ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔ ان مسائل کی سنگینی کا تقاضہ یہ ہے کہ جہاں جہاں کیاں نظر آ رہی ہیں، ان کو ماہرین کے مشورے سے استفادہ کرتے ہوئے دور کیا جانا چاہیے اور ایسا نظام نافذ کیا جانا چاہیے جس کی وجہ سے اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ امتحانات کے پرچے لیک نہ ہوں اور جو حق دار اور لائق و فائق بچے ہیں ان کی محنت ضائع اور مستقبل داؤ پر نہ لگے۔ یہی اقدام ملک اور بچے دونوں کے لیے مفید ہوگا۔

(مضمون نگار روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر ہیں)

editor.nizami@gmail.com

> آخر وہ بچے جو اپنی علمی استعداد کی بنیاد پر نہیں بلکہ پیسوں کے بل بوتے پر ناجائز ڈھنگ سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کریں گے، کیا ان سے کبھی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس ملک کے بیماروں کا اخلاقی بلندی اور پیشہ ورانہ دیانت داری کے ساتھ علاج کر پائیں گے؟

بڑھتے گرمی کے دن، بڑھتی پریشانیاں

پنکج چترویدی

ابھی

لوگوں کے جسموں سے ہولی کے رنگ چھوٹے بھی نہیں تھے کہ پورا شمالی ہندوستان شدید گرمی کی زد میں آ گیا۔ ویسٹرن ڈسٹربنس کی وجہ سے کچھ مقامات پر بارش بھی ہوئی لیکن درجہ حرارت میں کمی نہیں آئی۔ ملک کے تقریباً 60 فیصد حصے میں 35 سے 45 ڈگری کی گرمی کے قہر کے 100 دن ہو گئے ہیں اور الرٹ جاری کیا گیا ہے کہ آئندہ دو ہفتوں تک موسم ایسا ہی رہے گا۔ ویسے بھی اگر مانسون آ بھی گیا تو بھلے ہی درجہ حرارت میں کمی آئے لیکن اُمس کی وجہ سے پیدا ہونے والے ناخوشگوار احساسات گرمی کی ہی طرح پریشان کرتے رہیں گے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس بار گرمی کے عتاب نے نہ تو ہماچل پردیش کے دلکش وادیوں کو بچایا ہے اور نہ ہی اتراکھنڈ کے مشہور سیاحتی مقامات کو۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ لوگ۔ جمنا کے میدانی علاقوں میں لو تیوری سے چل رہی ہے، خاص طور پر مغربی اتر پردیش میں، جو کہ گنگا۔ جمنا دوآب کے ساتھ بہت سی چھوٹی اور درمیانی ندیوں کا گھر ہے اور کبھی گھنے جنگلات سے جانا جاتا تھا، بندیل کھنڈ کی طرح شدید گرمی کی زد میں آ رہا ہے۔ یہاں درختوں کی پتیوں میں نمی کے اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والی دہائیوں میں ہرت پردیش کہلانے والا علاقہ بندیل کھنڈ کی طرح خشک سالی، نقل مکانی اور جنگلات کی کٹائی کا شکار ہوسکتا ہے۔ آدھا جون گزر چکا ہے اور اب بھی شملہ اور منالی جیسے مقامات کا درجہ حرارت 30 کے قریب ہے۔ ہمیر پور ضلع میں درجہ حرارت 44.5 ہے تو کانگڑا، چمبا، ناہن، منڈی وغیرہ میں درجہ حرارت 41 سے نیچے آنے کو تیار نہیں ہے۔ محکمہ موسمیات نے رواں ماہ کے آخری ہفتے تک کئی مقامات پر لو کا الرٹ جاری کر چکا ہے۔ اتراکھنڈ کے دارالحکومت دہرہ دون میں شدید گرمی نے ریکارڈ توڑ دیا، 122 سال بعد سب سے زیادہ درجہ حرارت 42.4 ریکارڈ کیا گیا۔ گزشتہ پانچ دنوں سے دون کا درجہ حرارت 41 ڈگری سیلسیس سے اوپر ہے۔ صبح سے ہی سورج آگ اُگل رہا ہے۔ جھمرات کو دون کا کم از کم درجہ حرارت بھی معمول سے 33 ڈگری زیادہ 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ اس کے علاوہ پنت نگر کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت معمول سے پانچ زیادہ 41.0 ڈگری سیلسیس اور کم سے کم 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ مکیشور کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت معمول سے 7 زیادہ 31.2 ڈگری سیلسیس اور کم سے کم 26.0 ڈگری سیلسیس ریکارڈ کیا گیا۔ ٹہری کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت معمول سے 3 زیادہ 31.6 ڈگری سیلسیس اور کم سے کم 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ یہ گرمی اب انسانوں کے لیے ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ راجستھان، دہلی، ہریانہ اور پنجاب میں مسلسل چلچلاتی گرمی نے ہوا کا معیار خراب کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ لو لگنے، چکر آنے اور بلڈ پریشر میں اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے جھارکھنڈ، بہار، اتر پردیش جیسی ریاستوں میں 200 سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں۔ مسلسل گرمی نے پانی کی طلب میں اضافہ کیا اور بحران بھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گرمی کی وجہ سے پینے کے صاف پانی کی دستیابی میں کمی آئی ہے۔ پلاسٹک کی بوتلوں میں فروخت ہونے والا پانی ہو یا عام لوگوں کا پہنچایا ہوا پانی، شدید گرمی پلاسٹک کی بوتلوں میں ابلے ہوئے پانی کو زہر میں بدل دیا۔ پانی کے درجہ حرارت میں اضافہ تالابوں اور دریاؤں کی صحت کو خراب کر رہا ہے۔ اول تو بخارات میں اضافہ ہو رہا ہے، دوم پانی کے زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے پانی میں نشوونما پانے والے جانور اور پودے مر رہے ہیں۔ شدید گرمی خوراک کی غذائیت کی بھی دشمن ہے۔ شدید گرمی میں گندم کے دانے چھوٹے ہو رہے ہیں اور ان کی غذائیت کی خصوصیات بھی کم ہو رہی ہیں۔ ویسے بھی چلچلاتی گرمی میں پکا ہوا کھانا جلدی سڑ رہا ہے۔ پھل اور سبزیاں جلدی خراب ہو رہی ہیں۔ خاص طور پر وہ پھل جو گریوں میں آتے ہیں اور کیمیکل لگا کر پکائے جاتے ہیں، اتنے زیادہ درجہ حرارت میں زہر میں تبدیل ہو رہے ہیں اور انہیں کھانے والوں کے اسپتال کا بل بڑھ رہا ہے۔ اس موسم گرما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ اس میں رات کا درجہ حرارت معمول سے 3 زیادہ کم 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ یہ گرمی اب انسانوں کے لیے ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ راجستھان، دہلی، ہریانہ اور پنجاب میں مسلسل چلچلاتی گرمی نے ہوا کا معیار خراب کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ لو لگنے، چکر آنے اور بلڈ پریشر میں اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے جھارکھنڈ، بہار، اتر پردیش جیسی ریاستوں میں 200 سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں۔ مسلسل گرمی نے پانی کی طلب میں اضافہ کیا اور بحران بھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گرمی کی وجہ سے پینے کے صاف پانی کی دستیابی میں کمی آئی ہے۔ پلاسٹک کی بوتلوں میں فروخت ہونے والا پانی ہو یا عام لوگوں کا پہنچایا ہوا پانی، شدید گرمی پلاسٹک کی بوتلوں میں ابلے ہوئے پانی کو زہر میں بدل دیا۔ پانی کے درجہ حرارت میں اضافہ تالابوں اور دریاؤں کی صحت کو خراب کر رہا ہے۔ اول تو بخارات میں اضافہ ہو رہا ہے، دوم پانی کے زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے پانی میں نشوونما پانے والے جانور اور پودے مر رہے ہیں۔ شدید گرمی خوراک کی غذائیت کی بھی دشمن ہے۔ شدید گرمی میں گندم کے دانے چھوٹے ہو رہے ہیں اور ان کی غذائیت کی خصوصیات بھی کم ہو رہی ہیں۔ ویسے بھی چلچلاتی گرمی میں پکا ہوا کھانا جلدی سڑ رہا ہے۔ پھل اور سبزیاں جلدی خراب ہو رہی ہیں۔ خاص طور پر وہ پھل جو گریوں میں آتے ہیں اور کیمیکل لگا کر پکائے جاتے ہیں، اتنے زیادہ درجہ حرارت میں زہر میں تبدیل ہو رہے ہیں اور انہیں کھانے والوں کے اسپتال کا بل بڑھ رہا ہے۔ اس موسم گرما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ اس میں رات کا درجہ حرارت معمول سے 3 زیادہ کم 26.0 ڈگری سیلسیس اور کم سے